ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4, 2023

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں سماجی کردار

ڈاکٹر نورین کھوکھر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، فارمن کرسچن کالج (اے چارٹرڈ یونیورسٹی) لاہور

صولت طاہر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو،

فارمن کرسچن کالج (اے چارٹرڈ یونیورسٹی) لاہور

Abstract

Ahmed Nadeem Qasmi focused on various social issues in his short stories, making them the central theme and highlighting the social characters, their emotions, feelings, and the contradictions of life. He based his stories on the social background of human life, particularly on the miseries related to economic disparities. His fictional characters are poor, simple-minded, kind-hearted, hospitable, and innocent. In his stories, he mostly reflected the environment that surrounds us. His characters are directly related to social life.

کلیدی الفاظ: قاسمی، محقّق، فکر و فن، تہذیب نسواں، امروز، فنون، کلیات، معاشرت، ترقی پسند، مظاہر فطرت، معاشیات، فطرت، سیفٹی ایکٹ، حق گوئی۔

احمد ندیم قاسمی کی ادبی شخصیت کے بے شمار رنگ ہیں اور ان کی ادبی خدمات کی کئی جہتیں ہیں۔ وہ ایک بے مثال شاعر، ادیب، محقّق، مدیر اور کالم نویس تھے۔ احمد ندیم قاسمی ایک ایسا روشن ستارہ تھے جو اپنے فکر و فن کے ساتھ نصف صدی سے زائد عرصے تک ادب کے آسمان پر جگمگاتے رہے۔ احمد ندیم قاسمی کا خاندانی نام "احمد شاہ" اور "ندیم" تخلص تھا۔ آپ 20 نومبر 1916ء میں ڈنگہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ 1935ء میں پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کی۔ 37-1936ء میں ریفارمر کمشنر لاہور کے دفتر میں بطور محرر ملازم رہے۔ ہفتہ روزہ "تہذیب نسواں" لاہور میں مترجم کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے اور اوکاڑہ میں نودن ٹیلی فون آپریٹر بھی رہے۔ 1949ء میں انجمنِ ترقی پسند مصنفین کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ تاہم انھیں سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ انجمنِ ترقی پسند مصنفین پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ رہائی کے بعد احمد ندیمؔ قاسمی نے مختلف اخبارات و رسائل میں لکھا۔ 1953ء میں مشہور اور موقر روزنامہ "امروز" سے بطور ایڈیٹر وابستہ ہوئے۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے دور میں انھیں ایک بار پھر سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ بعد ازاں رہائی کے بعد 1963 میں انھوں نے اپنے ادبی رسالے "فنون" کا اجراء کیا۔ 2006ء تک احمد ندیمؔ قاسمی نے اس کے 126 شمارے شائع کیے۔ احمد ندیمؔ قاسمی 1973ء میں مجلسِ ترقی ادب کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور تاعمر اس عہدے پر فائز رہے۔ 10 جولائی 2006 میں احمد ندیمؔ قاسمی نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں تدفین ہوئی۔ نظم اور نثر دونوں میں انہوں نے اپنی جدا حثیت منوائی۔ احمد ندیمؔ قاسمی کی پچاس سے زائد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ جن میں شاعری کے 11 مجموعے، ایک نعتیہ و حمدیہ مجموعے کے علاوہ افسانوں کے 17 مجموعے شامل ہیں۔ ایک ناولٹ بھی ہے، 2 کالموں کے مجموعے، 2 شخصی خاکوں کے مجموعے، جبکہ تنقید کی 5 کتب شائع ہوئیں۔ بچوں کے لئے 3 کتابیں، کلیات کی 3 کتابیں جبکہ 7 کتابوں کی ترتیب و تدوین کی۔ انہوں نے ادب کو انسانی جذبات کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہوئے خلوص، سادگی اور محبت کو اپنے قلم کا وسیلہ بنایا۔۔ انہوں نے لکھا، بے پناہ لکھا اور اچھا لکھا۔ ان کی شخصیت کی دلکشی اور نیت کا خلوص ان کے لفظوں میں جھلکتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی بطور شاعر بھی اپنی مثال آپ ہیں اور جدید اردو شاعروں میں بلاشبہ ندیم ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے افسانہ نگاری میں انسانی فطرت کے پیچ و خم کو اپنے گہرے مشاہدے کی روشنی میں ایک منفرد انداز سے پیش کیا۔۔ انھوں سماجی نفسیات کے مسائل کی کرداروں شکل میں اجاگر کیا۔ انھوں نے زندگی کی نبض شناسی کرتے ہوئے کردار نگاری میں انسانی نفسیات کی گرہیں کھولیں۔ اپنے افسانوں میں احمد ندیم قاسمی نے فکر و فنی مہارت سے دیہی اور سماجی زندگی کے مختلف مسائل کی تصویر کشی کی۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوی مجموعے ذیل میں درج ہیں:

1. چوپال(دار الاشاعت پنجاب،لاہور1939)
2. بگولے(مکتبہ اردو،لاہور1941)
3. طلوع و غروب(مکتبہ اردو،لاہور1942)
4. گرداب(ادارہ اشاعت اردو،حیدر آباد دکن1943)
5. سیلاب(ادارہ اشاعت اردو،حیدر آباد دکن1943)
6. آنچل(ادارہ فروغ اردو،لاہور1944)
7. آبلے{تین طویل کہانیاں}(ادارہ فروغِ اردو،لاہور1946)
8. آس پاس(مکتبہ فسانہ خواں،لاہور1948)
9. درودیوار(مکتبہ اردو،لاہور1948)
10. سناٹا(نیاادارہ،لاہور1952)
11. برگِ حنا(ناشرین،لاہور1959)
12. بازارِ حیات(ادارہ فروغِ اردو،لاہور1959)
13. سیلاب و گرداب(مکتبہ کارواں،لاہور1961)
14. گھر سے گھر تک(راول کتاب گھر،راولپنڈی1963)
15. کپاس کا پھول(مکتبہ فنون،لاہور1973)
16. نیلا پتھر(غالب پبلشرز،لاہور1980)
17. کوہ پیما(اساطیر،لاہور1995)
18. پت جھڑ(آخری افسانے اور ناولٹ)
19. اس راستے پر(ناولٹ)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ہمیں انسان اور خدا سے دوستی، محبت، خلوص اور نفیس جذبات کے اظہار کے ساتھ معاشرتی ناہمواریوں، بے انصافیوں اور محرومیوں پر مبنی کہانیاں ملتی ہیں، جو ان کے مشاہدے کی گہرائی اور باریک بینی کی دلیل ہیں۔ وہ انسان کی فطرت کی تہہ میں چھپی اچھائی اور برائی، فرشتگی اور کمینگی کا بیان حقیقت پسندی سے کرتے ہیں۔ طمع کاری اور بناوٹ سے کام نہیں لیتے۔ وہ انسان کو ڈرائنگ روم میں رکھے کشن کی طرح بنا سنوار کر پیش نہیں کرتے بلکہ کشن کے اندر رکھی روئی بکھیر دیتے ہیں۔ ان کا تخیل سر زمین پنجاب کے دیہاتوں کی الہڑ شوخ فضائیوں سے لے کر شہر کی معاشرت اور اس کی آوارہ اور نمکین ہواؤں تک سفر کرتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں مہر و محبت، خلوص و وفا اور صدق و صفا کے چشمے بہتے نظر تو آتے ہیں، مگر نفرت، کدورت، غصہ، قہر، تعصب کا شائبہ تک نظر نہیں آتا، احمد ندیم قاسمی اردو کے ان عظیم فنکاروں میں سے ہے جو اپنی زندگی میں ہی امر ہو جاتے ہیں اور اپنے فکر و فن کی قدر خود اپنی آنکھوں سے ہوتی دیکھتے ہیں۔ اگرچہ احمد ندیم قاسمی کی ابتدائی زندگی مشکلات سے دوچار رہی لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنے قلم سے وفاداری برتی اور علم و ادب کی خدمت سے غافل نہ ہوئے۔

بقول گوپی چند نارنگ:

"احمد ندیم قاسمی اردو کے ان فنکاروں میں سے ہیں جو اپنی زندگی ہی میں اپنے دور کی تاریخ پر اپنا نقش ثبت کر دیتے ہیں۔"(1)

افسانہ نگار کا یہ فرض ہوتا ہے کہ معاشرے کی اصل صورتحال کو قارئین کے سامنے پیش کرے۔ احمد ندیم قاسمی نے اس فرض کو بخوبی نبھایا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے افسانہ نگاری میں بڑی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی حقیقت پسندی میں بڑی گہرائی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانے ہمیں حقیقت کے بہت قریب نظر آتے

ہیں۔ ان افسانوں میں الف لیلوی رنگ نہیں جھلکتا بلکہ انسان، روح کے ساتھ ساتھ جسم سمیت بھی نظر آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں انسانی جسم و روح اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ وہ جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے وہی کچھ دکھاتے تھے انھوں نے اپنے افسانوں میں زندگی کی صداقتوں میں رنگ آمیزی سے کبھی کام نہیں لیا۔ ان کی کہانیاں فنی ریاضت اور گہرے مطالعہ و مشاہدہ کا پتہ دیتی ہیں۔

بقول اختر اورینوی:

"ندیم ایسا ہی فکار ہے جو حقیقتوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر رومان اور مثالیت کی طرفہ کاری دیکھتا اور دکھلاتا ہے میری رائے ہے کہ منٹو، کرشن چندر، بیدی، اختر انصاری اور ممتاز مفتی کی صف میں احمد ندیم قاسمی کو بہت ہی منفرد مقام حاصل ہے۔"(2)

احمد ندیم قاسمی نے مختلف معاشرتی موضوعات پر افسانے لکھے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی موضوعات کی کمی محسوس نہیں کی۔ وہ ایک حساس تخلیق کار کی مانند اپنے آس پاس کی زندگی سے نظر نہیں چراتے بلکہ نظر ملا کر بات کرتے ہیں۔ یہ سب حقیقتیں ان کے افسانوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ طلوع آزادی کے بعد پابندی اظہار ندیم کی تخلیقی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج بنا۔ وہ حق گوئی اور بے باکی کو انسان کا بنیادی حق سمجھتے تھے۔ اس دور کے افسانوں میں ندیم کے ہاں گہری طنزیہ کیفیات ملتی ہیں۔ ہماری اجتماعی زندگی پر فوجی آمریت کا یہ اثر بھی مرتب ہوا کہ رفتہ رفتہ ہم نے احساس کی صدا اور ضمیر کی آواز پر کان بند کر لئے۔ ہم اقدار کی بجائے اشیاء کی پرستش میں لگ گئے۔ افسانے "کھمبا"، "ہذا من فضل ربی"، "بھرم" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ افسانہ "بھرم" میں دولت کے نشے اور شراب کی بدمستی کی جو تصویریں پیش کی گئی ہیں ان میں قدروں کی پامالی کا منظر نامہ دیدنی ہے۔

"چودھری نے زمین کی آدھی قیمت بتائی۔

احمد علی نے اعتراض کیا تو وہ بولا۔ "تو پھر کہیں اور بیچ ڈالو، میری طرف سے تمہیں آزادی ہے، زیلدار کے ہاں بیچ دو۔

نقد روپے اور کون دے گا؟"(3)

سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے باعث معاشرتی زندگی اعلیٰ انسانی اقدار کے محور سے اس قدر ہٹ گئی کہ مہر و محبت، اخلاص و وفا اور حسن کردار کی قدریں ختم ہو کر رہ گئیں۔ جس سے معاشرتی زندگی میں منفی روایات کو فروغ ملا۔

احمد ندیم قاسمی کی فکری حساسیت ہی ان کا فنی اظہار ہے۔ ناجائز دولت کی فراوانی کے عذاب میں مبتلا ہو کر لوگ عشق و وفا کا چلن بھول بیٹھے ہیں۔ قاسمی نے اس کے اثرات کو محسوس کر کے اپنے افسانوں میں لکھا۔ "پاگل"، "سفید گھوڑا" اور "بندگی بے چارگی" میں یہ اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ان افسانوں کے مرکزی کرداروں کی اپنے معیار و اقدار پر استقامت شدید معاشرتی دباؤ کے زیر اثر رفتہ رفتہ پسپائی میں بدل جاتی ہے۔

عزت کے ساتھ زندہ رہنے یا غیرت کے ساتھ مر جانے کی اخلاقی روش ہمیں قاسمی کے افسانوں میں ملتی ہیں۔ افسانہ "وحشی" کی بڑھیا قومی غیرت کے اسی تصور کا پیکر محسوس ہوتا ہے۔ مظفر علی سید کا کہنا ہے کہ:

"وحشی بڑھیا۔ یہاں ایک تمثیلی انداز میں پیش ہوتی ہے اسے اپنی زمین کا استعارہ سمجھئے اور اس انّی کی خیرات کو جس پر اسے غصہ آیا، غیر ملکی امداد۔ یہ معنی خود کہانی سے نکلتے ہیں جو اپنی جگہ ایک سادہ و مختصر کہانی بھی ہے اور ایک تمثیل بھی۔"(4)

سماجی موضوعات سے ندیم کا تخلیقی شغف بڑا نمایاں ہے۔ وہ ان فنکاروں میں سے ہیں جنھوں نے جنگ کی ہلاکت خیزی کے سماج پر پڑنے والے منفی اثرات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ جنگ و امن کے موضوع پر احمد ندیم قاسمی کی تخلیقات معیار و مقدار ہر دو اعتبار سے، اردو افسانے کی پوری تاریخ میں لاثانی ہیں۔ یوں تو امن اور انسانیت کی پرستش ترقی پسند نظریہ ادب کا نمایاں ترین تصور ہے مگر جنگ کے ہلاکت خیز تجربے سے جس دلسوزی سے احمد ندیم قاسمی نے تخلیقی زرخیزی اخذ کی ہے اس کی مثال اردو فکشن میں نایاب ہے۔ ندیم کے تیرہ افسانوی مجموعوں میں یہ رنگ شدت سے نظر آتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے ہاں جنگ محدود نہیں بلکہ ان کے ہاں عالمگیر جنگوں کا تجربہ بارود میں لپٹی ہوئی انسانی زندگی کی بے بسی کا مظہر ہے۔ ابن انشا نے "چاند نگر" کے ابتدائیے میں اس کا سبب یہ بتایا کہ احمد ندیم قاسمی کا اپنا علاقہ فوجی بھرتی کا اہم مرکز تھا۔ اس اعتبار سے احمد ندیم قاسمی کے افسانے "سپاہی بیٹا"، "ہیرا"، "بوڑھا سپاہی" اور "ہیروشیما سے پہلے اور ہیروشیما کے بعد" قابل ذکر ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے پس منظر میں لکھے افسانے "بوڑھا سپاہی" کا مرکزی کردار اپنی تلخ ترین یادیوں بیان کرتا ہے:

"ایک دفعہ میں نے ایک سپاہی (جرمن" کے دل میں سنگین گھونپ دی۔ وہ بے تاب ہو کر گرا اور بڑی مشکل سے اپنی جیب سے بھرے بھرے گالوں اور سنہرے گنگھریالے بالوں والی ایک خوبصورت بھولی بھالی لڑکی کی تصویر نکال کر اسے چوما، ہچکی لی اور مر گیا۔ ملک جی میں نے اس سپاہی کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا اور دفن کرتے ہوئے تصویر اس کے زخمی دل پر رکھ دی۔ ملک جی! لیکن اس سپاہی کو قتل کر کے میں نے محسوس کیا کہ میرے زخم چھل گئے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا گنہگار ہوں۔"(5)

یہ سپاہی جب خود گاؤں پہنچتا ہے تو اس کی اپنی محبت بھری دنیا اجڑ چکی ہوتی ہے، گویا تمام عمر وہ اپنی مرحومہ محبوبہ کے بچوں کی پرورش میں گزار دیتا ہے اور اپنی زندگی تیج کر اس گناہ سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ لوگ جن پر یہ فرار کا دروازہ نہیں کھلتا بالآخر پاگل ہو کر جنگلوں میں بھٹکنے لگتے ہیں۔ ایسے کرداروں کے گرد بنی ہوئی کہانیاں اردو افسانے میں طنز کے استعمال کی نایاب مثالیں ہیں۔ "سپاہی بیٹا"، "بابا نور" اور "ہیرا" میں طنز لفظوں اور جملوں سے نہیں پھوٹتا، طنز کا شائبہ یا تو معدوم ہے یا پھر کم کم ہے۔ اس کے برعکس "بوڑھا سپاہی" میں طنز کی کاٹ بہت تیز اور گہری ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے ہاں افسانوں میں اختتام تک آتے آتے پاگل کردار ہوش مند نظر آنے لگتے ہیں اور ہوش مند دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔

"ہیرا" کا ہیرو، وریام ایک ایسا ہی کردار ہے جسے محاذ جنگ پر تشدد اور بربریت کا مشاہدہ انتشار ذات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ اپنے اس جہنم سے صرف تشدد کے ذریعے نجات پاتا ہے۔ اپنے اس پاگل پن کے آغاز پر وہ خود روشنی ڈالتا ہے۔

"زینو، مجھے تمہاری قسم ہے کہ اس وقت مجھے اپنے گوشت میں سے گزرتی ہوئی چھری کی چر چر کی آواز سنائی دے گئی۔ بس اس کے بعد مجھے ہسپتال لے گئے اور جب سے سنا ہے کہ میں بکتا جھکتا رہتا ہوں اور بھاگ کھڑا ہوتا ہوں اور بھاگتے بھاگتے زمین پر دھب سے لیٹ جاتا ہوں۔ جانے کیا کیا بتاتے ہیں لوگ۔ پر زینو میں تو کچھ بھی نہیں کرتا۔ مجھے تو نیند آجاتی ہے۔"(6)

برطانوی سرکار نے اس قابل علاج ذہنی مریض کا علاج کروانے کی بجائے واپس بھیج دیا اور معذور سپاہی کو گاؤں پھینک گئی۔ لوگ غریب جان کر اس کی مدد کرنے لگے تو اس نے خودکشی کرلی۔ جنگ اور جنگ سے پیدا ہونے والے نفسیاتی بحران کے ساتھ ساتھ ندیم نے اخلاقی بحران کا بھی آئینہ دکھایا ہے۔ "السلام علیکم" کا امیر خان فرانس کے ایک گاؤں میں ایک نازک اندام، لیوی سے محبت کی پینگیں بڑھاتا رہا اور جب تین سال کے بعد محاذ جنگ سے واپس اپنے گاؤں پہنچتا ہے تو نور کے تڑکے میں اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ دیکھتا ہے اس کی بیوی کے اپنے آشنا سے کہے گئے یہ الفاظ:

"جاؤ دن چڑھ آیا ہے مرغ کب کے بانگیں دے چکے، جاؤ۔"

اسے لیوسی کے الوداعی کلمات، کچھ یوں یاد دلاتے ہیں کہ فرانس اور پنجاب ایک ہو جاتے ہیں

"جاؤ جاؤ دن چڑھ آیا، بگل کب کا بج چکا، جاؤ۔"(7)

سماج کے نفسیاتی بحران کا ایک دوسرا رخ، جنگ کے دوران کام آنے والے پس ماندگان کا ہے۔

"آتش گل" کے رمضو کے برما محاذ پر مارے جانے کے بعد اس کی پنشن کے حصول کے لیے اس کا بوڑھا والد اور اس کی بیوی "گلابو" شرافت اور شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اس کا بوڑھا والد ہوس زر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بہو پر رکیک الزام تک لگانے سے نہیں چوکتا۔ ادھر بیوی ساری شرم و حیا اور تہذیب و تمیز بالائے طاق رکھ کر یہ تک کہہ گزرتی ہے کہ:

"پندرہ روپے بڈھے کے دماغ میں اس زور سے بجے کہ میں تو کہتی ہوں کہ اگر اب اسے جیتا جاگتا منصور بھی مل جائے تو پنشن بند ہونے کے ڈر سے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالے گا۔"(8)

احمد ندیم قاسمی نے سماجی زندگی کے انسانی رشتوں کو اپنا موضوع بنایا۔ "ماں" کی مقدس اور لازوال محبت ندیم کا خاص موضوع ہے۔ اس موضوع کو ندیم نے "ماممتا"، "کپاس کا پھول" اور "اندمال" سمیت متعدد کہانیوں میں موضوع بنایا ہے۔ مگر "مامتا" کا فنی حسن اور فکری نکھار تکمیلی شان رکھتا ہے۔ بقول ڈاکٹر فتح محمد ملک:

"اس شاہکار افسانے کی سب سے زیادہ نادر و نایاب متاع مائیں ہیں۔ پنجابی ماں، انگریز ماں، چینی ماں، یہ گویا ممتا کے آفاقی جذبے کے تین مقامی روپ ہیں۔"(9)

افسانہ "مامتا" میں ہی چینی ماں ایک اجنبی نوجوان کو سردی میں ٹھٹھرتا دیکھ کر کچھ یوں بے چین ہو جاتی ہے کہ جاپانیوں کے عتاب اور آس پاس منڈلاتی موت سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔

"وہ آگے بڑھ کر میری قمیض میں بٹن ٹانکنے لگی اور جب ٹانک چکی تو آنسوؤں سے مسکرائی، جاپانیوں کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر اس نے جیسے چوری چوری میرے ایک گال پر بوسہ دیا اور میری قمیض سے آنسو پونچھ کر پلٹ گئی اور میں نے ایک لمحے کے لیے یوں سمجھا جیسے چینی کی یہ پیالی ہوا میں ابھر کر الٹ گئی اور میں پنجاب میں اپنی ماں کی گود میں گر پڑا ہوں۔"(10)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں انسانی نفسیات کے تمام پہلوؤں سے آگہی اور پھر ان کرداروں کے اظہار میں فنی مہارت کے تمام عوامل موجود ہیں۔ ان کے کردار اپنی تمام تر حساسیت اور جذباتی آہنگ کی شدت سے بھرپور ہیں۔ اپنے افسانے: گنڈاسا" میں انھوں نے عورت کی بجائے ایک مرد کی نازک اور جمالیاتی حس کی نفسیاتی اظہار کی حقیقی ترجمانی کی ہے:

"ارے تو تو میرا حلالی بیٹا تھا، تیرا گنڈاسا کیوں نہ اٹھا، تو نے __!" وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے اچانک رک گئی اور بہت نرم آواز میں جیسے بہت دور سے بولی "تو تو رو رہا ہے مولے؟" مولے گنڈاسے والے نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اپنا ایک بازو آنکھوں پر رگڑا اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے بالکل بچوں کی طرح ہولے سے بولا "تو کیا اب روؤں بھی نہیں (11)"

ندیم کے افسانوں میں معصوم مگر نادار بچوں اور ان کی غریب مگر غیور ماؤں کے کردار بار بار ابھرتے ہیں۔ اپنے افسانوں کے پہلے مجموعہ "چوپال" کے افسانہ "ننھا منجھی" سے لے کر تازہ ترین کہانی "کوہ پیما" ندیم کے فن پاروں میں جتنے بھی بچے اور جتنی بھی مائیں ہیں ان سب کے کردار ندیم کے اپنے بچپن کی معصومیت، حیرت اور ان کی ماں کی محبت اور عفت و تقدیس میں رچی ہوئی شخصیت کا عکس ہیں۔ مثلاً "ننھے نے سلیٹ خریدی"، "خربوزے" اور "چور" کے سے افسانوں میں سوانحی رنگ بہت گہرا ہے۔ افسانہ "نیلا پتھر" کا آغاز تو اس زمانے کی حقیقی زندگی کی ایک جھلک معلوم ہوتا ہے۔ جب ندیم کیمل پور میں زیر تعلیم تھے۔ اطہر کے گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے بعد کیمل پور روانگی کا سماں دیکھئے:

"ہم چارپائیوں سے کود کر اماں سے لپٹ گئے اور اماں ہم دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے روتی رہیں اور کہتی رہیں نہ میں کیوں روؤں، میں زندگی بھر کیا کم روئی ہوں کہ اب بھی روؤں، جب میرے بچے میرا سہارا بننے والے ہیں۔"(12)

ماں جیسے ایثار و محبت کے پیکر نے جس حوصلہ مندی سے اپنے بچوں کے لیے اپنی زندگی تج دی اس کی یاد ہمیشہ ندیم کے دل میں تازہ رہی۔ ندیم کی شخصیت پر ان کی ماں کی محبت، کس قدر اثر رکھتی ہے اس کے بارے میں ندیم کہتے ہیں:

"میری زندگی پر سب سے عظیم اثر میری ماں کا ہے۔"(13)

افسانہ "خربوزہ"، "چور"، "پاؤں کا کانٹا"، "پرمیشر سنگھ" جیسی تخلیقات میں ماں کی محبت کی یاد، ان کرداروں کو اخلاق، شرافت اور نیکی، پاکیزگی کی خاص سطح سے نیچے نہیں آنے دیتی۔ احمد ندیم قاسمی کی تخلیقات میں ان کے بچپن کا عکس نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ رومانی کرب کے ساتھ اپنے بچپن کی بازیافت میں مصروف ہیں۔

احمد ندیم قاسمی نے مظلومی نسواں کے موضوع پر ہر دور میں بڑے مؤثر اور دلگداز انداز میں فن پارے تخلیق کئے اس سلسلے میں ان کے افسانے "ایک عورت تین کہانیاں"، "بین"، "لارنس آف تھلیبا" خاص طور پر اہم ہیں۔

"ایک عورت تین کہانیاں" ہماری دیہاتی عورت کے مصائب کی کہانی ہے۔ عورت کی پیدائش سے لے کر بچپن، بلوغت، جوانی، شادی، شادی کے بعد کے مسائل، بڑھاپا، بڑھاپے کے مسائل بیان کئے ہیں۔ جاگیر دارانہ ماحول میں عورت کے نہ ختم ہونے والے مصائب کی کہانی ہے۔ اسی طرح ندیم کے افسانہ "بین" کی "رانو" اور "لارنس آف تھلیبا" کی رنگی ان کروڑوں عورتوں کی نمائندگی کرتی ہیں جو بے بسی اور دیوانگی کی حالت کو پہنچنے کے بجائے بغاوت کا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ رنگی کا لارنس کی گردن مروڑ کر اسے پھینک دینا، درندگی کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ نظام خانقہی کے خلاف ایسی ہی بغاوت افسانہ "بین" کی رانو کی ہے۔

ندیم کے ہاں مظلومی نسواں الگ سے کوئی موضوع نہیں بلکہ ہمہ گیر انسانی صورت حال کا ایک حصہ ہے، یہ صورت حال اس نظام نے پیدا کر رکھی ہے جس میں عورت کو جبر و استبداد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ندیم اس ظلم کو محسوس کر کے آنسو نہیں بہاتے بلکہ اس تلخ حقیقت کو سامنے لا کر نجات حاصل کرنے کے اقدامات کرنے کے بارے سوچتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں اگر مرد اور عورت کے تعلق کی بات ہے تو احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا مرد شرمیلا ہے اور عورت کے سامنے جھجھکا ہوا رہتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"نفسیاتی لحاظ سے دیکھیں تو یہ خود افسانہ نگار کی سائیکی کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ قاسمی نے تمام عمر شرافت اور نیک نامی میں بسر کی۔ آج تک ان سے کوئی سکینڈل منسوب نہ ہوا اور میرا خیال ہے کہ غیر عورت کا ہاتھ پکڑنے میں جو خاص قسم کا تھرل ہے وہ اس سے آشنا نہیں۔"(14)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں "چھاگل"، "نامرد"، "مہنگائی الاؤنس" اور "حد فاصل"، "بارٹر" وغیرہ ان تمام افسانوں کا مرد شرمایا ہوا ہے اور آخری وقت تک ان مردوں میں جھجک ختم نہیں ہوتی۔ ان افسانوں میں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی رویے کی غماز ہے۔

احمد ندیم قاسمی اردو کے صف اول کے افسانہ نگاروں میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ ان کا مشاہدہ گہرا، بے جھجک اور انسانی فطرت کے پیچ و خم سے ان کی واقفیت بڑی دور رس ہے۔ وہ زندگی کی سفاک حقیقتوں پر کوئی رنگین پردہ نہیں لگاتے اور نہ ہی انسانی فطرت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنس سے ان کی دلچسپی معمول کے مطابق ہے۔ ان کے ہاں مریضانہ لذت اندوزی نہیں۔ ان کے ہاں طنز بھی ملتا ہے لیکن یہ طنز ایسا نہیں جس سے دل آزاری ہو۔ ان کے فن پاروں میں سلاست اور روانی ہے۔ ان کا لہجہ نرم اور شائستہ ہے۔ یہ حلاوت برسوں ریاضت کے بعد ملتی ہے۔ مزاج میں یہ سنجیدگی اور متانت اس وقت آتی ہے جب زندگی کی موم بتی کے سرے پر دکھ اور سکھ دونوں کو جلتا دیکھا ہو۔ ان کے ہاں انسانی ادراک کی وسعت نظر آتی ہے۔

تقسیم ہند کا موضوع بھی اردو افسانے کا ایک اہم موضوع ہے ۔ قاسمی کے افسانوں میں ان فسادات کے ہنگامے بھی ملتے ہیں۔ جن کے پس منظر میں ظلم، جبر، درندگی اور بربریت کی داستانیں ہیں جنھوں نے انسانی تذلیل اور سماجی شکست وریخت کے نئے پہلو منقش کئے۔ تقسیم اور فسادات کا موضوع کم و بیش ہر افسانہ نگار کے ہاں موجود ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی خصوصیت یہ ہے انہوں نے ان واقعات کو لے کر جو افسانے لکھے ان میں جانبداری نہیں ملتی۔ فسادات جیسے خونی حالات میں بھی ان کے کردار انسانی کیفیات اور جذبات سے بھرپور ہیں۔

"پرمیشر نے اختر کو یوں جھپٹ کر اٹھالیا کہ اس کی پگڑی کھل گئی اور کیسوں کی لٹیں لٹکنے لگیں۔ اس نے اختر کو پاگلوں کی طرح چوما۔ اسے اپنے سینے سے بھینچا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور مسکرا مسکرا کر کچھ ایسی باتیں سوچنے لگا جنھوں نے اس کے چہرے کو چمکا دیا پھر اس نے پلٹ کر دوسرے سکھوں کی طرف دیکھا۔"(15)

احمد ندیم قاسمی کی یہ خوبی ہے کہ ان کے یہاں ایک اعلیٰ فنکار جرأت اور صداقت کے ساتھ زندگی کی حقیقتوں کو بے نقاب کر کے ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے کہ ان حقیقتوں کے آئینہ میں ہم اپنے آپ کو خوبیوں اور خامیوں سمیت دیکھ سکیں اور معیار بھی قائم کر سکیں۔

کتابیات

1: گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، احمد ندیم قاسمی، مشمولہ ندیم نامہ، مرتبہ محمد طفیل، شیر موجد، 1976ء، ص318

2: اختر اورینوی، احمد ندیم قاسمی، مشمولہ ندیم نامہ، مرتبہ محمد طفیل، شیر موجد1976ء، ص262

3: احمد ندیم قاسمی۔ سیلاب و گرداب، گلوب پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۶۱ ص ۱۲۸

:4 ندیم کے بہترین افسانے، دیباچہ، لاہور، 1964ء، ص36,35

:5احمد ندیم قاسمی، بوڑھا سپاہی مشمولہ چوپال (دار الاشاعت پنجاب،
لاہور1939، ص28

:6احمد ندیم قاسمی، ہیرا مشمولہ بازارِ حیات (ادارہ فروغِ اردو، لاہور1959، ص167

:7احمد ندیم قاسمی، السلام علیکم مشمولہ، بگولے مکتبہ اردو
لاہور1941، ص، 190

8: احمد ندیم قاسمی، آتش گل مشمولہ سناٹا، نیا ادارہ، لاہور1952ص76

:9 ملک، فتح محمد، ڈاکٹر، مطبوعہ احمد ندیم قاسمی (شاعر اور افسانہ نگار) لاہور، سنگل میل پبلی کیشنز، 1991ء، ص150

10: ماما مشمولہ سناٹا، نیا ادارہ، لاہور1952ص، 100

11: احمد ندیم قاسمی، گنڈاسا۔ ، مشمولہ : سناٹا، لاہور، نیا ادارہ، لاہور، 1952، ص، 178
12: احمد ندیم قاسمی، نیلا پتھر، غالب پبلشرز، لاہور1980ص، 123

:13 "چند یادیں" مطبوعہ 'افکار' ندیم نمبر، س ن، ص92-91

:14 سلیم اختر، ڈاکٹر، نیلا پتھر، مشمولہ مٹی کا سمندر، ضیاء ساجد، 1991ء، ص846

15: احمد ندیم قاسمی، پرمیشر سنگھ مشمولہ: بازار حیات، لاہور: ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1959، ص، 9